www.bhatkallys.com

شہر یارانِ ملکِ دل

میرے ذہن میں یہ عنوان ایک مصرعے اور ایک کتاب کے سرنامے سے آیا تھا۔ مصرع شاہ صفی الدین کی ایک مشہور غزل کا ہے "من بملکِ دل شہنشاہ بودہ ام تا بودہ ام"۔ کتاب احمد کسراوی کی ہے "شہر یارانِ گمنام"۔ اس کتاب میں اُن ملوکِ عجم کا تذکرہ ہے جو اپنے زمانے میں بڑے کرّ و فر والے تھے مگر کتبِ تواریخ میں وہ زیادہ معروف نہ ہوئے۔ میں بھی چند ایسے لوگوں سے متعارف تھا جو کسی ملک کے شہر یار تو نہ تھے مگر ہر ایک کی اپنی قلمرو تھی۔ اب بہت سے لوگوں کو ان میں سے ایک دو کا نام بھی شاید یاد نہ ہوگا۔ ایسے ہی لوگوں میں حکیم امین الدین، حسرت موہانی اور ہاری لیگ تھے۔

حکیم امینُ الدّین

حکیم امین الدین لاہور کے مشہور خاندانِ حکیماں میں سے تھے۔ بھاٹی دروازے کے اندر آج بھی ایک کوچہ بازارِ حکیماں کہلاتا ہے۔ یہ خاندان نسباً انصاری تھا اور ان کا شجرہ حضرت ایوب انصاری سے ملتا ہے۔ اس خاندان کے جدِّ امجد شیخ عبدالحمید بن شیخ محمّد انصاری ملتان کے رہنے والے تھے۔ ان کے بیٹے حکیم نور محمد سرکار ماہرو سجادہ نشین حضرت داؤد بندگی کی طرف سے میرک معین الدین نواب امانت خاں صوبہ دار لاہور کے دربار سے منسلک تھے۔ انھوں نے حضرت ماہرو کی اجازت سے حکیم انتون مسیحی اور

www.bhatkallys.com

حکیم عبدالوہاب ابنِ حکیم علی گیلانی سے جو اپنے وقت کے مسیحا خیال کیے جاتے تھے، علم طب حاصل کیا تھا۔ یہ زمانہ کوئی ۱۶۷۰ء کے لگ بھگ تھا۔ حکیم نور محمدؒ کے بیٹے حکیم محمدؒ اسحاق بھی اپنے وقت کے بہت نامی طبیب تھے۔ حکیم محمدؒ اسحاق کو نواب زکریا خان صوبہ دار لاہور نے ملک الحکما کا خطاب دیا تھا۔ حکیم محمدؒ اسحاق کے پوتے حکیم نور محمدؒ بھی نامور اور حاذق طبیب تھے۔ لیکن اس خاندان کے سب سے مشہور طبیب حکیم نور محمدؒ کے بیٹے حکیم گل محمدؒ تھے۔ وہ گھر پر ہی مطب کرتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہیں تھے۔ ایک استثنا مہاراجا رنجیت سنگھ کا تھا۔ جب کبھی وہ بیمار ہوتے تھے تو ان کو دیکھنے قلعہ چلے جاتے تھے۔ مہاراجا ان کے متعلق کہا کرتے تھے "زمیں جنبد نہ جنبد گل محمدؒ" حکیم گل محمدؒ کے چار بیٹے ہوئے: حکیم شہاب الدین، حکیم حسام الدین، حکیم وجیہ الدین اور حکیم شجاع الدین۔ حکیم حسام الدین مشہور طبیب تھے۔ وہ امرتسر میں بھی مطب کرتے تھے۔ امرتسر میں کٹڑی حکیماں انھی کے نام سے موسوم تھی اور ان کی ملکیت تھی۔ حکیم حسام الدین کے اکلوتے بیٹے حکیم امین الدین تھے۔ انھوں نے اپنا خاندانی پیشہ تو اختیار نہیں کیا تھا مگر اپنے بزرگوں کی طرح لفظ حکیم کو اپنے نام کا لاحقہ بنا لیا تھا۔ حکیم شجاع الدین کے بیٹے حکیم احمد شجاع تھے جن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ حکیم امین الدین کی شادی حکیم احمد شجاع کی سب سے بڑی بہن سے ہوئی تھی۔ میری والدہ حکیم احمد شجاع کی چھوٹی بہن تھیں۔

حکیم امین الدین کی طبیعت میں ذہانت کے ساتھ ساتھ شوخی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہی دو وصف ان کی زندگی کے پہلے موڑ کا باعث ہوئے۔ وہ علی گڑھ میں پڑھتے تھے جہاں وہ اور ان کے دو ہم جماعت آپس میں گہرے دوست تھے۔ تینوں بہت قابل اور محنتی طالب علم تھے۔ ایک مرتبہ امتحان میں بیٹھے تو طے پایا کہ تینوں مل کر پرچے حل کریں گے اور جواب لکھیں گے۔ نہایت اطمینان سے یہ عمل جاری تھا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ حکیم امین الدین پندرہ بیس منٹ کے وقفے کے بعد فارسی کا یہ مصرعہ اونچی آواز

www.bhatkallys.com

میں پڑھ دیتے تھے :

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

(چور کس قدر دلیر ہے کہ ہتھیلی پر چراغ رکھ کر آیا ہے)

ان کے نگران ممتحن مشہور ریاضی دان چکرورتی تھے جن کی ریاضی کی کتاب عرصے تک نصاب میں شامل رہی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ لڑکا کیا بکواس کر رہا ہے۔ آخر انھوں نے کسی سے پوچھا تو اس نے ترجمہ کر کے بتایا۔ فوراً بولے "شالا نقل کرتا"۔ پرچے دیکھے گئے۔ نقل پکڑی گئی۔ تینوں دوست گھر بھیج دیے گئے۔ حکیم صاحب انگلستان جا کر بیرسٹر بن آئے۔ دُوسرے دوست کا نام یاد نہیں رہا۔ انھوں نے بھی انگلستان جا کر بیرسٹری کر لی۔ تیسرے دوست کا نام بھی ذہن سے اُتر گیا ہے۔ اُن کے بیٹے اپنے وقت میں اودھ چیف کورٹ کے چیف جج بنے۔ اس قصّے کے راوی حکیم احمد شجاع تھے۔

حکیم صاحب نے انگلستان سے لوٹنے کے بعد لائل پور میں پریکٹس شروع کی۔ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) اس وقت ایک نیا اُبھرتا ہُوا اور صاف سُتھرا چھوٹا سا شہر تھا۔ وہاں وکالت شروع کرنے کے مواقع لاہور کی نسبت بہتر تھے۔ شیخ سر عبدالقادر اور ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ منظور قادر نے بھی لائل پور ہی سے وکالت شروع کی تھی۔

بچپن میں مجھے اپنے ماموں حکیم احمد شجاع سے زیادہ اپنے خالو حکیم امین الدین کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک تو اس لیے کہ انھوں نے لائل پور میں رہائش اختیار کر لی تھی جو ہمارے گاؤں سے بہت قریب تھا۔ دُوسرے انھیں میرے والد سے بہت اُنس تھا۔ خالو نستعلیق آدمی تھے۔ علی گڑھ کا رنگ چڑھا ہُوا تھا۔ دہلی کی تہذیب اور رکھ رکھاؤ سے بھی بہت متأثر تھے۔ جب انگریزی لباس نہیں پہنتے تھے تو دہلی کے شرفا کا لباس زیب تن کرتے تھے۔ قد چھوٹا تھا مگر جامہ زیب آدمی تھے۔ ہر طرح کا لباس ان پر سج جاتا تھا۔ شعر و شاعری کا ذوقِ سلیم رکھتے تھے۔ جب انگلستان سے لوٹے تو ڈاڑھی مونچھ کھونٹی سے صاف

www.bhatkallys.com

کرتے تھے۔ اپنے دوستوں میں بیٹھ کر ضلع جگت اور پھبتی میں بھی حصّہ لے لیتے تھے۔ ڈپٹی کمشنر ضلع کے سپرنٹنڈنٹ سالومن ڈیوڈ صاحب سے ان کے خاص مراسم تھے ان کو وہ سلیمان بن داؤد کہا کرتے تھے۔ ڈیوڈ صاحب الٰہ آباد کے رہنے والے تھے۔ اہلِ زبان تھے اور بذلہ سنجی اور ضلع جگت میں ان کا جواب نہ تھا لیکن حکیم صاحب بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے۔ ایک دن دونوں دوست روسی سرکس کا تماشا دیکھنے گئے ہوئے تھے۔ حکیم صاحب باقاعدہ سوٹ بوٹ ہیٹ پہنے اور چھاتا لیے ہوئے تھے۔ ڈیوڈ صاحب کی رگِ ظرافت جو پھڑکی کہنے لگے "حکیم جی، تب جانوں اگر تم سرکس کے میدان میں انگریزی ڈانس کر کے دکھاؤ۔ سو روپے حاضر کروں گا۔ اگر ایسا مع چھاتے اور ہیٹ کے کرو، دو سو روپے نذر کروں گا۔" حکیم صاحب نے جواب دیا "جناب سلیمان بن داؤد صاحب، اگر ہماری مردانگی اور ہمت کو چیلنج کرتے ہو تو شرط پانچ پانچ سو روپے کی ہوگی۔ اگر ہم نے یہ سب کر دکھایا تو تم سے پانچ سو روپے چہرہ شاہی لیں گے اور اگر نہ کر پائے تو پانچ سو روپے تمہارے حوالے کریں گے۔ کہو بدتے ہو شرط؟" دونوں نے ہاتھ ملایا۔ شرط پکی ہو گئی۔ جیسے ہی روسی طائفے نے ناچ کے لیے پرا باندھا حکیم صاحب چھاتا کھول کر اور سر پر ہیٹ رکھ کر میدان میں کود پڑے اور ساتھ ہی بہ آواز بلند یہ شعر پڑھا ؎

کودا ترے گھر میں کوئی یوں دھم سے نہ ہوگا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا

پہلے تو سب لوگ حیران ہوئے کہ ماجرا کیا ہے مگر حکیم صاحب نے اس چابک دستی اور سبک رفتاری سے ناچ کرنے والوں کا ساتھ دیا کہ سب دیکھنے والے عش عش کر اٹھے اور داد کے طور پر تالیاں پیٹنے لگے۔ حکیم صاحب نے کوئی پندرہ منٹ کے بعد نہایت اطمینان سے چھاتا لپیٹا، ہیٹ اتار کر حاضرین کو جھک کر آداب کیا اور اپنی کرسی پر آن بیٹھے۔ ڈیوڈ صاحب شرط ہار گئے۔ یہ قصّہ برسوں بعد مجھے ڈیوڈ صاحب نے

www.bhatkallys.com

جو اس وقت بوڑھے ہو گئے تھے، خود سنایا۔

حکیم صاحب کا ضلع کے ڈپٹی کمشنر سے کسی بات پر اختلاف ہو گیا۔ وہ انگریز تھا۔ یہ بھی انگلستان سے ہو آئے تھے، اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ ڈپٹی کمشنر نے ذرا گھٹیا حرکت کی۔ حکیم صاحب سرکاری مقدمات بھی لے لیا کرتے تھے۔ اُس نے الزام لگایا کہ حکیم صاحب نے ایک مقدمے میں اپنی فیس سے زیادہ رقم لے لی ہے اور انکوائری کا حکم دے دیا۔ حکیم صاحب نے منّت مانی کہ جیسے ہی میں اس لغو اور جھوٹے الزام سے بری ہوتا ہُوں، ڈاڑھی رکھ لُوں گا اور اس کے بعد سرکاری کام پر لعنت بھیجوں گا۔ الزام تھا ہی جھوٹا۔ صاف بری ہو گئے۔ اسی روز سے ڈاڑھی مونڈنا چھوڑ دیا اور بقیہ ساری عمر شرعی ڈاڑھی رکھی۔ ایک دن ڈیوڈ صاحب آئے۔ حکیم صاحب نائی سے خط بنوا رہے تھے۔ ڈیوڈ صاحب ازراہِ تفنّن بولے ؎

لمبی ڈاڑھی فرشتے پکڑیں گے
ڈاڑھی مُنڈے وہاں بھی اکڑیں گے

حجّام کو ایک ہاتھ سے پرے ہٹا کر حکیم صاحب فوراً بولے "سلیمان بن داؤد صاحب، ہم تو اگلے جہان میں سب انبیاءِ کرامؑ کے قدموں میں بیٹھے ہوں گے جن میں ہمارے اور تمھارے نبی حضرت یسوعِ ناصری بھی ہوں گے۔ اُن کی نورانی ڈاڑھیوں کے طفیل ہماری ڈاڑھی سے بھی نور چھن رہا ہو گا۔ جبکہ کہیں دُوسری جگہ تمھاری ڈاڑھی مونڈنے کے لیے آبِ زقوم کا التزام ہو گا۔"

اس تحقیقات والے واقعہ کے بعد حکیم امین الدین لاہور واپس آ گئے اور بازارِ حکیماں میں اپنے پُشتینی مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ وہاں بڑے معرکے کے مشاعرے اور جلسے ہوتے تھے۔

مجھے کل کی بات کی طرح یاد ہے کہ ہم جب بھی لاہور گئے تو خالو اسٹیشن پر

www.bhatkallys.com

لینے خود موجود ہوتے تھے۔ مجھے گود میں اٹھا لیتے تھے اور اونچے اونچے "ردبلیاں دشمن دور" کہتے ہوئے چک پھیریاں لیتے تھے۔ علاوہ اور مدارات کے ہر شام بھاٹی دروازے کی مشہور گلاب میں بسی ہوئی ریوڑیوں کا ایک تھال میرے لیے رکھا ہوتا تھا۔ میں چھوٹا سا تھا، کتنی کھاتا ہوں گا۔ روز صبح ایک نیا جوڑا کپڑوں کا لاکر مجھے پہناتے تھے کہ یہ ہمارا بیٹا دلی کا بانکا ہے اس کا لباس بھی ویسا ہونا چاہیے۔

اس نقلِ سکونت کے ساتھ ان کا رجحان مذہب کی طرف بہت بڑھ گیا تھا۔ حکیم صاحب جو اپنے زمانے کے اچھے مقرر تھے، تقریر ہمیشہ مدلل اور دل پذیر کرتے تھے۔ انجمنِ حمایت الاسلام کے سالانہ جلسے میں ہمیشہ شرکت کرتے تھے اور تقریر بھی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ لاہور میں اور لاہور سے باہر علمی اور مذہبی جلسوں میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ حکیم امین الدین اپنی قانونی مصروفیات کے باوجود بڑے مجلسی آدمی تھے۔ جہاں جاتے تھے جانِ محفل بن جاتے تھے۔ ساری عمر بڑے قرینے اور سلیقے سے رہے۔ جو کمایا عزیزوں، رشتے داروں اور دوسرے حقداروں کی مدد اور معاونت اور دوست احباب کی خاطر مدارات پر صرف کر دیا۔ گھر بڑا جہانی تھا، اور ہمیشہ مہمانوں سے بھرا رہتا تھا۔ جلسوں اور مشاعروں کی بھی اس میں کافی گنجائش تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کا ہاتھ ہمیشہ کشادہ رہا اور انھیں کسی قسم کی تنگی کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ وہ صحیح معنوں میں دل کے بادشاہ تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سرسید اور ان کے جانشینوں کی مساعی سے مسلمانوں میں تعلیمی احیا کی تحریک جڑ پکڑ رہی تھی۔ پڑھے لکھے اور صاحبِ حیثیت مسلمان ہونہار مسلمان طلبا کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرتے تھے اور ان کو اپنی مجالس میں شریک کرتے تھے۔

حکیم امین الدین کی نجی مجالس بھی اسی نوعیت کی ہوتی تھیں۔ ثقہ اور بزرگ حضرات کے پیچھے نوجوان بھی زانوئے ادب تہ کیے علم و ادب کے موتی چنتے تھے۔ حکیم

www.bhatkallys.com

امین الدین کی منعقد کی ہوئی ایک ایسی ہی محفل میں ڈاکٹر اقبال نے پہلی مرتبہ اپنی غزل پڑھی تھی جس کا مشہور شعر ہے ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

حکیم امین الدین کا انتقال ۱۹۲۱ء میں بعارضۂ ذیابیطس ہوا۔ پاؤں کے ناخن ترشوا رہے تھے۔ ناخن گیر انگوٹھے میں لگ گیا۔ اُس سے جسم میں زہر پھیل گیا۔ بہت علاج معالجہ ہوا مگر مرض بڑھتا ہی گیا اور آخر جان لیوا ثابت ہوا۔